تحریر

مفسر قرآن حضرت
مولانا
حافظ صلاح الدین یوسف رحمہ اللہ
لاہور

دینی، علمی اور حدیثی خدمات میں
اہل حدیث کا امتیاز

برصغیر پاک و ہند میں تحریک عمل بالحدیث کا آغاز کب اور کس طرح ہوا؟ یہ تو خاصا لمبا موضوع ہے جس کی تفصیل کی اس مضمون میں گنجائش نہیں، تاہم یہ واضح ہے کہ اسے زیادہ فروغ تیرہویں صدی ہجری کے اواخر اور چودھویں صدی ہجری کے اوائل میں ملا، جس میں امیر الملک نواب صدیق حسن خان، شیخ الکل میاں نذیر حسین محدث دہلوی، مولانا محمد حسین بٹالوی، شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہم اللہ وغیرہم کی مساعی حسنہ کا حصہ بہت زیادہ ہے، نواب صاحب نے عربی، اردو اور فارسی تینوں زبانوں میں اور تقریباً ہر موضوع پر کتابیں تحریر فرمائیں اور متعدد اہم کتابیں (فتح الباری وغیرہ) اپنے خرچ پر طبع کرا کے تقسیم بھی کیں، یوں وہ مجدد العلوم کے مصداق ٹھہرے، میاں نذیر حسین محدث دہلوی نے نصف صدی سے زیادہ عرصے تک مسند حدیث بچھائے رکھی، جس سے عرب و عجم کے ہزاروں افراد نے کسبِ فیض کیا اور پھر انہوں نے اپنے اپنے علاقوں میں قرآن و حدیث کا چشمہ صافی جاری کیا، یوں حضرت الشیخ کی تدریس حدیث اور ان کے فیض یافتگان کی مساعی سے تقلید و جمود کے بندھن ٹوٹے اور رسم رواج کی زنجیریں ڈھیلی ہوئیں، مولانا بٹالوی نے ''اشاعۃ السنۃ'' کے ذریعے سے اہل حدیث صحافت کا آغاز کیا، ان کے خارا شگاف قلم نے ایک طرف نیچریت اور مرزائیت پر خوب خوب ضربیں لگائیں اور دوسری طرف مقلدیں جامدین سے بھرپور ٹکر لی۔ اس سے سلفی تحریک کو بڑی تقویت ملی۔ مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ نے بیک وقت کئی محاذوں پر چومکھی جنگ لڑی، وعظ و تبلیغ، تصنیف و تالیف، ہفتہ واری صحافت اور مناظرہ و مباحثہ، ہر میدان میں خوب خوب کام کیا، یوں فرق ضالہ کے خلاف سرگرم رہے۔ ان سب حضرات کی مختلف النوع خدمات اور سرگرمیوں سے سلفی فکر کو فروغ ملا اور ان سب سے پہلے شاہ اسمٰعیل شہید رحمہ اللہ کی تحریک جہاد نے بھی اس میدان میں خوب کام کیا جس سے بدعات کا زور ٹوٹا، بہت سی رسومات کا خاتمہ ہوا اور عمل بالحدیث کا جذبہ لوگوں میں عام ہوا اور جہاد کا وہ سبق بھی امت نے دوبارہ پڑھا جسے اسی طرح فراموش کر دیا گیا تھا جیسے فقہ کے مقابلے میں حدیث کو متروکات سخن

میں شمار کرلیا گیا تھا، چنانچہ وقت کے ایک عظیم محقق اور مشہور سیرت نگار علامہ سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ اس سلفی تحریک اور اس کے اثرات ونتائج کے بارے میں لکھتے ہیں: ''اس تحریک کے جو اثرات پیدا ہوئے اور اس زمانے سے آج تک ہمارے دورِ ادبار کی ساکن سطح میں اس سے جو جنبش ہوئی، وہ بھی ہمارے لئے بجائے خود مفید اور لائق شکری ہے، بہت سی بدعتوں کا استیصال ہوا، توحید کی حقیقت نکھاری گئی، قرآن پاک کی تعلیم وتفہیم کا آغاز ہوا، قرآن پاک سے براہ راست ہمارا رشتہ دوبارہ جوڑا گیا۔ حدیث نبوی کی تعلیم وتدریس اور تالیف واشاعت کی کوششیں کامیاب ہوئیں اور دعویٰ کیا جاسکتا ہے کہ ساری دنیائے اسلام میں ہندوستان ہی کو صرف اس تحریک کی بدولت یہ دولت نصیب ہوئی، نیز فقہ کے بہت سے مسئلوں کی چھان بین ہوئی (یہ اور بات ہے کہ کچھ لوگوں سے غلطیاں بھی ہوئی ہوں) لیکن سب سے بڑی بات یہ ہے کہ دلوں سے اتباع نبوی کا جو جذبہ کم ہوگیا تھا وہ سالہا سال تک کیلئے دوبارہ پیدا ہوگیا، مگر افسوس ہے کہ اب وہ بھی جارہا ہے۔ اس تحریک کی ہمہ گیر تاثیر یہ بھی تھی کہ وہ ''جہاد'' جس کی آگ اسلام کے مجمر میں ٹھنڈی پڑ گئی تھی، وہ پھر بھڑک اٹھی، یہاں تک کہ ایک زمانہ گزرا کہ وہابی اور باغی مترادف لفظ سمجھے گئے اور کتنوں کے سر قلم ہوگئے، کتنوں کو سولیوں پر لٹکنا پڑا اور کتنے پابجولاں دریائے شور عبور کردیئے گئے یا تنگ کوٹھڑیوں میں انہیں بند ہونا پڑا۔''

اس تحریک کی بنیاد تین چیزوں پر تھی:

۱۔ نصب امارت ۲۔ زکوٰۃ کی مرکزیت

۳۔ اسلام سے تمام بیرونی اثرات کو مٹا کر اس کو پھر اپنی اصلی حالت پر لوٹانا۔

علمائے اہل حدیث کی تدریسی وتصنیفی خدمت بھی قدر کے قابل ہے، پچھلے عہد میں نواب صدیق حسن خاں مرحوم کے قلم اور مولانا سید محمد نذیر حسین دہلوی رحمہ اللہ کی تدریس سے بڑا فیض پہنچا، بھوپال ایک زمانے تک علمائے حدیث کا مرکز رہا۔ قنوج، سہسوان اور اعظم گڑھ کے بہت سے نامور اہل علم اس ادارے میں کام کر رہے تھے، شیخ حسین عرب یمنی ان سب کے سرخیل تھے اور دہلی میں مولانا سید محمد نذیر حسین صاحب کی مسند درس بچھی تھی اور جوق در جوق طالبین حدیث مشرق ومغرب سے ان کی درس گاہ کا رخ کر رہے تھے، ان کی درس گاہ سے جو نامور اٹھے، ان میں سے ایک مولانا ابراہیم صاحب آروی تھے جنہوں نے سب سے پہلے عربی تعلیم اور عربی مدارس میں اصلاح کا خیال قائم کیا اور مدرسہ احمدیہ کی بنیاد ڈالی۔ اس درس

گاہ کے دوسرے نامور مولانا شمس الحق صاحب مرحوم (صاحب عون المعبود) ہیں، جنہوں نے کتب حدیث کی جمع واشاعت کو اپنی دولت اور زندگی کا مقصد قرار دیا اور اس میں وہ کامیاب ہوئے، اس درس گاہ کے ایک اور نامور تربیت یافتہ ہمارے ضلع (اعظم گڑھ) میں مولانا عبدالرحمٰن صاحب مرحوم مبارکپوری تھے جنہوں نے تدریس وتحدیث کے ساتھ ساتھ جامع ترمذی کی شرح ''تحفۃ الاحوذی'' (عربی) لکھی۔

اس تحریک کا ایک اور فائدہ یہ ہوا کہ مدت کا زنگ طبیعتوں سے دور ہوا اور یہ جو خیال پیدا ہو گیا تھا کہ اب تحقیق کا دروازہ بند اور نئے اجتہاد کا راستہ مسدود ہو چکا ہے، رفع ہو گیا، اور لوگ از سر نو تحقیق وکاوش کے عادی ہونے لگے، قرآن پاک اور احادیث مبارکہ سے دلائل کی خو پیدا ہوئی اور قیل وقال کے مکدر گڑھوں کی بجائے حدیث کے اصلی چشمہ مصفی کی طرف واپسی ہوئی۔ (مقدمہ، تراجم علمائے حدیث، ہند، مؤلفہ امام خان نوشہروی مرحوم، صفحہ ۳۱۔۳۳)

مولانا مناظر احسن گیلانی جو ایک متعصب حنفی عالم اور مصنف تھے، انہوں نے بانی دارالعلوم دیوبند مولانا محمد قاسم نانوتوی کی مفصل سوانح، سوانح قاسمی بھی لکھی ہے، وہ بھی تحریک اہل حدیث کی بابت یہ لکھنے پر مجبور ہو گئے: ''اس کو تسلیم کرنا چاہیے کہ اپنے دین کے اساسی سرچشموں (قرآن وحدیث) کی طرف توجہ ہندوستان (متحدہ) کے حنفی مسلمانوں کی جو پلٹی، اس میں اہل حدیث اور غیر مقلدیت کی اس تحریک کو بھی دخل ہے، عمومیت غیر مقلد تو نہیں ہوئی لیکن تقلید جامد اور کورانہ اعتماد کا طلسم ضرور ٹوٹا۔'' (ماہنامہ برہان، دہلی اگست ۱۹۵۸ء)

ایک اور مضمون نگار مولانا سید رشید احمد ارشد استاذ عربی جامعہ کراچی ہیں، انہوں نے ''ہند و پاکستان میں علم حدیث'' کے عنوان سے ایک مقالہ لکھا ہے، اس میں وہ تحریر کرتے ہیں: ''آخری زمانے میں حدیث کی تدریس واشاعت سے ہندوستان میں اہل حدیث کا ایک فرقہ پیدا ہو گیا تھا جو ائمہ کی تقلید کی مخالفت کرتا تھا، اس کی وجہ سے حنفی علماء میں بھی کتب حدیث کے مطالعہ کا شوق پیدا ہوا اور وہ فقہی مسائل کو احادیث کی روشنی میں ثابت کرنے پر متوجہ ہوئے، اس طرح اس فرقے کا وجود علم حدیث کی ترقی کا باعث بنا۔'' (ماہنامہ ''البلاغ'' کراچی، ترجمان دارالعلوم کراچی، ذوالحجہ ۱۳۸۷ھ جلد اول شمارہ ۱۲ صفحہ ۲۵)

★ علم بالحدیث کی تحریک سے متحدہ ہندوستان میں تقلید وجمود کے بندھن ڈھیلے ہوئے اور کورانہ اعتماد کا طلسم ٹوٹا

★ تحقیق واجتہاد کا دروازہ کھلا اور فقہی مسائل کی چھان بین کا ذوق پیدا ہوا۔

★ بہت سی بدعات کا خاتمہ ہوا اور رسوم ورواج کے بت ٹوٹے۔

★ تحریک کی ہمہ گیریت اور غلغلے نے اپنوں اور بیگانوں سب کو متاثر کیا۔

★ حدیث کی خدمت اور اس کی نشر واشاعت کا ذوق عام ہوا۔

★ فقہی اقوال وآراء کو قرآن وحدیث کے دلائل سے مزین اور محقق کرنے کا احساس پیدا ہوا۔

برصغیر پاک وہند میں مذکورہ ثمرات، اس جماعت کی ہمہ جہتی مساعی کے نتیجے میں حاصل ہوئے جو فکر و مسلک محدثین کی حامل اور ان کے علم وعمل کی وارث تھی۔ اس جماعت نے محدثین ہی کی طرح کسی مسلکی لگاؤ اور فقہی وحزبی تعصب کے بغیر حدیث پر عمل کرنے کے جذبے کا احیاء کیا۔ مخالفین اور معاندین نے اس جماعت حقہ اور طائفہ منصورہ کو ایک نئے فرقے سے تعبیر کیا اور اس کے جذبہ عمل بالحدیث کو (نعوذ باللہ) فتنہ انگیزی ٹھہرایا۔ حالانکہ یہ کوئی نیا فرقہ نہیں تھا بلکہ اس فکر وعمل کا ایک تسلسل تھا، جو تقلیدی فرقوں کے ظہور سے پہلے عہد صحابہ سے چلا آرہا تھا۔ ہندوستان میں بے عمل مسلمان بادشاہوں اور مذہب کے نام پر صوفیا اور جامد فقہاء نے اصل دین سے عوام کو دور رکھا ہوا تھا، اس لئے جب سلفی تحریک کے ذریعے سے اصل دین اجاگر ہوا، سنتوں کا احیاء عمل میں آیا اور توحید کی ضیاء پاشیوں نے دلوں کو منور کیا، تو انہوں نے ان عاملانِ دین متین اور وارثانِ رسول امین سے عوام کو بدظن کرنے اور اپنے حلقہ ارادت کے لوگوں کو ان سے دور رکھنے کیلئے اس جماعت کو ایک نیا فرقہ باور کرانے کی مذموم سعی کی، جو یکسر خلاف واقعہ بات تھی، حقیقت میں یہ جماعت اس نبوی پیش گوئی کی مصداق ہے، جس میں نبی ﷺ نے فرمایا ہے: (**لا تزال من أمتي أمة قائمة بأمر الله لا يضرهم من خذلهم ولا من خالفهم حتى يأتي أمر الله وهم على ذلك**) [صحیح البخاری، کتاب المناقب، باب ۲۸ حدیث ۳۶۴۱، صحیح مسلم، الامارۃ، باب ۵۳، حدیث ۱۹۲۰]

یہ امت قائمہ، پہلے پہل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شکل میں تھی، پھر تابعین اور تبع تابعین اس کا مصداق بنے، ان کے بعد وہ محدثین جنہوں نے جمع وتدوین حدیث کا نہایت عظیم الشان کارنامہ سرانجام دیا، اس معیار پر قائم رہے، ان کے بعد آج تک یہ گروہ کسی نہ کسی انداز میں قائم چلا آرہا ہے، جس نے ہر دور میں اتباع سنت کی وہ مشعل فروزاں رکھی جس کے اولین علمبردار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھے، ہندوستان میں یہ سعادت اہل حدیث کے حصے میں آئی کہ وہ اس مسلک ومنہج کو زندہ کریں اور زندہ رکھیں جو صحابہ وتابعین کا تھا، اس دور میں تقلید کا نام ونشان نہ تھا، اس لئے تقلید سے وابستگی کو لازمی قرار دینے والے اور ائمہ کے اقوال وآراء کو نصوص کے مقابلے میں ترجیح دینے والے اس امت قائمہ کے مصداق نہیں ہوسکتے، اس کے صحیح اور اصل

مصداق صرف وہی لوگ ہوں گے جن کی عقیدت ومحبت کا مرکز اور اطاعت واتباع کا محور صرف اور صرف رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی اور آپؐ کے اقوال وافعال اور تقریرات ہیں اور یہ وہی لوگ ہیں جو آج اصحاب الحدیث، اہل الحدیث اور السلفیون وغیرہ ناموں سے عالم اسلام میں متعارف اور موجود ہیں، اس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں آپؐ نے فرمایا ہے کہ میری امت ۷۳ فرقوں میں بٹ جائے گی، جن میں سے صرف ایک فرقہ جنتی ہوگا، باقی سب جہنمی اور اس جنتی فرقے کی نشانی نبی ﷺ نے یہ بیان فرمائی ہے کہ جو (ما أنا علیه و أصحابی) ''میرے اور میرے صحابہ کے طریقے پر چلنے والا ہوگا۔'' [سنن أبی داؤد، کتاب السنۃ، باب شرح السنۃ، رقم ۴۵۹۶ سنن الترمذی، کتاب الایمان، باب ماجاء فی افتراق ہذہ الامۃ، وقد حسنہ الترمذی فی بعض النسخ واقرہ الالبانی فی شرح عقیدۃ الطحاویۃ، رقم الحدیث ۲۶۳]

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے بھی اہل الحدیث کی امتیازی خصوصیات کا ذکر کس خوبی کے ساتھ فرمایا ہے، وہ لکھتے ہیں: ''پس اہل حدیث رسول اللہ ﷺ کی حدیث، آپؐ کی سیرت اور آپؐ کے مقاصد واحوال کو سب فرقوں سے زیادہ جانتے ہیں اور ہمارے نزدیک اہل حدیث سے مراد صرف وہی لوگ نہیں ہیں جو حدیث کی سماعت یا اس کی تحریر وکتابت یا اس کی روایت کیلئے وقف رہے، بلکہ اس لقب اہل حدیث کا مستحق ہر وہ شخص ہے جو حدیث کی حفاظت ومعرفت اور اس کے ظاہر وباطن کے فہم اور اس کے اتباع میں نمایاں اور ممتاز ہو، اسی طرح اہل قرآن کا انطباق بھی ان پر صحیح ہے۔ ان لوگوں کی خصلت یہ ہے کہ یہ قرآن وحدیث سے محبت رکھتے ہیں، اور ان کے معانی اور مفاہیم پر بحث وگفتگو کرتے ہیں اور ان سے جن واجبات کا انہیں علم ہوتا ہے، ان پر عمل کرتے ہیں، اسی لئے فقہائے حدیث (محدثین کرام) رسول اللہ ﷺ سے، دوسرے فقہاء کی بہ نسبت زیادہ باخبر ہیں، اور ان کے صوفیا بہ نسبت دوسرے صوفیا کے رسول اللہ ﷺ کے زیادہ پیروکار ہیں، اور ان کے امرائے حکومت نبوی سیاست کو، بہ نسبت دوسروں کے زیادہ سمجھنے اور اس کے مطابق رویہ اختیار کرنے والے ہیں۔'' [مفصل الاعتقاد، مجموع فتاوی شیخ الاسلام ابن تیمیہ، جلد ۴ صفحہ ۹۵]

اسی کتاب میں ایک اور مقام پر اہل حدیث کی بابت تحریر فرماتے ہیں: ''یہ بات واضح ہے کہ اہل حدیث ان صفات کمال میں دوسرے تمام گروہوں کے ساتھ برابر کے شریک ہیں جن سے دوسرے لوگ آراستہ ہیں اور بہت سی صفات میں ان سے ممتاز ہیں جو دوسروں کے پاس نہیں ہیں، اس لئے اہل حدیث

سے بحث ومجادلہ کرنے والے کیلئے ضروری ہے کہ وہ ان کی مخالفت میں کوئی اور طریقہ اختیار کرے، جیسے معقول، قیاس، رائے، کلام، نظر واستدلال، محاجہ، مجادلہ، مکاشفہ ومخاطبہ اور وجدان وذوق اور اس طرح کی دوسری چیزیں۔ یہ تمام طریقے اہل حدیث کی شان اور ان کا امتیاز ہیں، پس وہ عقل میں لوگوں سے زیادہ کامل اور قیاس میں سب سے زیادہ انصاف سے کام لینے والے، رائے میں سب سے زیادہ درست، کلام میں سب سے زیادہ درست، نظر وفکر میں سب سے زیادہ صحیح، استدلال میں سب سے زیادہ راہ راست کو پانے والے اور بحث وحجت میں سب سے زیادہ موزوں، فہم وفراست میں سب سے زیادہ کامل، الہام (القائے ربانی) میں سب سے زیادہ سچے، بصر ونظر اور مکاشفے میں سب سے زیادہ تیز، سماعت اور مخاطبے میں سب سے زیادہ درست اور وجدان وذوق میں سب سے زیادہ عظیم اور احسن ہیں۔'' [حوالہ مذکور صفحہ ۹، ۱۰]

ایک اور مقام پر لکھتے ہیں: ''جب دنیا وآخرت کی سعادت پیغمبروں کے اتباع میں ہے تو یہ واضح ہی ہے کہ اس کے سب سے زیادہ حق دار وہ لوگ ہیں جو پیغمبروں کے آثار (اقوال واعمال) کو زیادہ جاننے والے اور ان کی پیروی کرنے والے ہیں، یہی ہر زمانے اور ہر جگہ میں اہل سعادت ہیں اور یہی گروہ ہر ملت میں نجات پانے والے ہے اور اس امت (محمدیہ) میں یہی حیثیت اہل سنت وحدیث کو حاصل ہے، اس لئے کہ وہ ساری امت کے ساتھ ان چیزوں میں ان کے شریک ہیں جو ان کے پاس رسالت کے امور میں سے ہیں اور اس علم میں ان سے ممتاز ہیں، جس میں انہیں درجہ اختصاص حاصل ہے، اور جو رسول اللہ ﷺ کی وراثت ہے، جس سے دوسرے لوگ نا آشنا ہیں، یا اس کو جھٹلانے والے ہیں۔'' [حوالہ مذکورہ، صفحہ ۲۶]

اہل حدیث کی تعریف کرتے ہوئے ایک اور مقام پر لکھتے ہیں اور کیا خوب لکھتے ہیں: ''یہی طبقہ اہل حدیث وہ ہے جسے قوت حفظ، فہم وفقاہت دین اور بصر وتاویل کی صلاحیت حاصل ہے، پس اس نے نصوص سے علوم کی نہریں جاری کیں، ان نصوص سے ان کے خزانے نکالے اور ان میں خصوصی فہم عطا کیا گیا، جیسے امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ کیا آپ کو رسول اللہ ﷺ نے کسی چیز کی بابت کوئی خصوصی علم بھی دیا ہے جو آپ نے دوسروں کو نہیں بتایا؟ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''نہیں! اس ذات کی قسم جس نے دانے کو پھاڑا اور مخلوق کو پیدا کیا..... ہاں فہم کی بات اور ہے، جو اللہ اپنے بندے کو اپنی کتاب کی بابت عطا کرتا ہے۔''

یہی فہم کتاب اس گھاس چارے کی مثل ہے جسے پاکیزہ زمین اگاتی ہے، اور یہی وہ چیز ہے جس کی

وجہ سے یہ طبقہ اہل حدیث دوسرے طبقے سے ممتاز ہے، اور یہی طبقہ ہے جس نے نصوص کی حفاظت کی، پس اس کی زندگی کا سب سے بڑا مقصد ان نصوص کا حفظ وضبط ہی ہے، چنانچہ اس کے پاس لوگ آئے اور اس سے قبولیت کا یقین حاصل کیا، ان نصوص سے مسائل کا استخراج کیا، اس کے خزانے نکالے، اس میں تجارت کی اور ایسی زمین میں اس کی کاشت کی جو روئیدگی اور پیداوار کے قابل تھی، اور ہر ایک نے اسے اپنی طاقت کے مطابق سیراب کیا (تمام لوگوں نے اپنے اپنے گھاٹ جان لیا)۔

اور یہی وہ لوگ ہیں جن کی بابت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ اس شخص کو خوش رکھے جس نے میرا فرمان سنا، اور اسے یاد کیا، پھر اسے (اسی طرح) آگے پہنچایا جیسے اس نے سنا، اس لئے کہ بہت سے حامل فقہ (دین کی بات سننے والے) فقیہ (سنی ہوئی بات سے استنباط کرنے والے) نہیں ہوتے، اور بہت سے حامل فقہ (جن کو دین کی بات پہنچائی جاتی ہے) وہ پہنچانے والے سے زیادہ سمجھ دار ہوتے ہیں۔'' [حوالہ مذکور، صفحہ ۹۳]

اسی طرح امام لالکائی اہل حدیث کی تعریف اور اس نام کی نسبت تحریر فرماتے ہیں: ''ہر وہ شخص جو کسی مذہب (مسلک) سے وابستگی رکھتا ہے، تو وہ اسی صاحب مذہب کی طرف، جو اس کا بانی ہوتا ہے، اپنا انتساب کرتا اور اسی کی رائے سے استناد کرتا ہے، سوائے اہل حدیث کے، اس لئے کہ ان کے صاحب مذہب خود رسول اللہ ﷺ ہیں۔ پس وہ انہی کی طرف اپنی نسبت کرتے اور انہی کے علم سے استناد کرتے ہیں اور دشمنان سنت پر سنت کے ہتھیار ہی سے حملہ کرتے ہیں۔ پس کون ہے جو اس شرف ذکر میں اہل حدیث کا مقابلہ کر سکے اور فخر کے میدان اور نام کی بلندی میں ان پر برتری جتا سکے؟ اس لئے کہ ان کا (اہل حدیث) نام معانی کتاب وسنت سے ماخوذ ہے، وہ ان دونوں پر مشتمل ہے، کیونکہ وہ ان دونوں کے ساتھ ہی تحقیق کرتے یا ان دونوں سے ہی بطور خاص دلیل پکڑتے ہیں، پس وہ حدیث کی طرف اپنا انتساب کرنے میں متردد ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کو بھی اپنی کتاب میں حدیث کہا ہے، جیسے فرمایا: ﴿الله نزل أحسن الحديث﴾ ''اللہ تعالیٰ نے بہترین حدیث نازل فرمائی ہے۔''

پس یہ حدیث قرآن ہے اور اہل حدیث قرآن کے حامل، اس کے ماننے والے، اس کے قاری اور اس کے حافظ ہیں، اور فرامین رسول ﷺ بھی حدیث ہے، اور اہل حدیث اس حدیث کے بھی ناقل اور اس کے حامل ہیں۔ (پس اہل حدیث کا تردد اس لئے ہے کہ وہ اہل حدیث اس معنی میں کہ وہ حدیث کے ماننے

والے ہیں۔) بلاشبہ وہ اس نام کے مستحق ہیں، کیونکہ دونوں ہی معنی ان کے اندر موجود ہیں۔ ہمارا مشاہدہ ہے کہ لوگ انہی سے کتاب وسنت (کا علم) حاصل کرتے ہیں اور مخلوق قرآن وحدیث کی تصحیح میں انہی پر اعتماد کرتی ہے، علاوہ ازیں ہم نے اپنے سے پہلے زمانے میں نہ سنا اور نہ اپنے زمانے میں دیکھا کہ کسی بدعتی نے قرآن کے پڑھانے میں حصہ لیا ہو اور کسی زمانے میں لوگوں نے ان سے علم حاصل کیا ہو، اسی طرح ماضی میں کبھی ان میں سے کسی نے رسول اللہ ﷺ کی حدیث کی روایت کا جھنڈا بلند کیا نہ کسی نے دین وشریعت کے معاملے میں ان میں سے کسی کی اقتداء کی۔

تمام تعریفیں اس اللہ کیلئے ہیں جس نے اس اہل حدیث گروہ کیلئے اسلام کے حصے کو مکمل کر دیا اور تمام اقسام کے ساتھ اس کو مشرف کیا اور تمام مخلوق میں اسے اس اعتبار سے ممتاز کیا کہ اسے اپنے دین کے ساتھ عزت بخشی اور اپنی کتاب کے ساتھ اسے بلندی عطا کی اور اپنی سنت کے ساتھ اس کا ذکر بلند کیا اور اپنے اور اپنے رسول ﷺ کے طریقے کی طرف رہنمائی کی۔ لہٰذا یہی طائفہ منصورہ، فرقہ ناجیہ، حق کا علمبردار اور جماعت عادلہ ہے جو رسول اللہ ﷺ کی سنت کو تھامنے والی ہے اور رسول اللہ ﷺ کے سوا کسی اور کو نہیں چاہتی، نہ آپؐ کے فرمان میں کسی تبدیلی کی روادار ہے اور نہ آپؐ کی سنت سے انحراف اسے گوارا ہے، نہ اسے انقلابات زمانہ اس سنت نبویؐ سے پھیرتے ہیں، نہ تغیر حوادث اس کو اس سمت سے موڑنے میں کامیاب ہوتے ہیں اور نہ اس شخص کی بدعت سازی ہی اس سے اس کا رخ بدلتی ہے جو اسلام کے خلاف سازش کرتا ہے تاکہ وہ اللہ کے راستے سے روکے اور اس دین میں وہ کجی تلاش کرتا ہے اور وہ اس راستے سے لوگوں کو جدل وتکرار کے ذریعے سے پھیرتا ہے، یہ جھوٹا گمان اور باطل تخمینہ ہے کہ وہ اللہ کے نور کو اپنی پھونکوں سے بجھائے گا، جب کہ اللہ اپنے نور کو پورا کرنے والا ہے، چاہے کافروں کو ناگوار ہی گزرے۔" [شرح اصول اعتقاد اہل السنۃ والجماعۃ، جلد ۹ صفحہ ۲۳ تا ۲۵ بہ تحقیق احمد سعد حمدان]

غیر اہل حدیث حضرات کی علمی وحدیثی خدمات کی حقیقت

امام لالکائی کے مذکورہ اقتباس میں اہل بدعت کے بارے میں ایک بات یہ بیان ہوئی ہے کہ ہم نے اپنے زمانے میں ان میں سے کسی کو قرآن کی تعلیم یا حدیث کی تدریس یا اس کی روایت میں حصہ لیتے ہوئے نہیں پایا، یہ بات امام موصوف کے دور میں تو شاید صحیح ہو، لیکن آج فتنے کی ایک نئی صورت یہ بھی سامنے

آرہی ہے کہ حدیث اور محدثین کے مخالفین بھی مفسر، محدث اور شارح بنے ہوئے ہیں لیکن قرآن وحدیث کی شرح وتفسیر سے ان کا مقصد قرآن کریم کی علمی خدمت یا حدیث رسول کی شرح وتوضیح نہیں ہے، بلکہ دراصل اپنے خانہ ساز عقائد، باطل مزعومات اور اپنے فقہی اقوال وآراء کا اثبات اور ان کیلئے سہارے تلاش کرنا ہے، یہی وجہ ہے کہ ان مفسرین وشارحین نے قرآن کریم میں معنوی تحریفات کرنے سے بھی گریز نہیں کیا اور اسی طرح احادیث رسول میں بھی ردوبدل کرنے میں انہیں کوئی باک نہیں، علاوہ ازیں انہوں نے صحیح احادیث کو ضعیف اور ضعیف احادیث کو صحیح، اسی طرح عادل وضابط، ثقہ راویوں کو مجروح اور غیر ثقہ مجروح راویوں کو ثقہ ثابت کرنے کی مذموم کوششیں کیں۔

اور اپنی فقہ کو ثابت کرنے کی یہ لے اتنی بڑھی اور یہ جذبہ اتنی شدت اختیار کر گیا کہ خود حدیث معرض خطر میں پڑ گئی اور اس کوشش کے ڈانڈے محدثین کے استخفاف اور حدیث کے استحقار تک پہنچ گئے، جس پر خود بعض انہی کے ہم مسلک علماء تک صدائے احتجاج بلند کرنے پر مجبور ہو گئے، چنانچہ ایک عالم نے ابن ماجہ سے متعلق ایک کتاب **ماتمس الیه الحاجة لمن یطالع ابن ماجة** تحریر کی، اس پر تبصرہ کرتے ہوئے ایک ان کے ہم مسلک عالم مولانا سعید احمد اکبر آبادی لکھتے ہیں: ''افسوس ہے کہ فاضل مصنف نے جگہ جگہ امام ابوحنیفہ اور ان کے مخالفین کی بحث اٹھا کر کتاب کو جدل ومناظرہ کا رنگ دے کر اس کی علمی حیثیت کو مجروح ہی نہیں کیا بلکہ خود حدیث کو معرض شک وارتیاب میں لا کھڑا کیا ہے، اس سے انکار نہیں ہوسکتا کہ بعض محدثین نے امام اعظم کے ساتھ سخت ناانصافی کی ہے لیکن اس کا جواب یہ تو نہیں ہوسکتا کہ ان محدثین پر اس طرح کے رکیک وسخیف حملے کئے جائیں جن سے ان کا کمال فن ہی داغدار ہو جائے، اس سلسلے میں امام بخاری، حافظ ابن حجر اور حافظ ذہبی رحمہم اللہ کی نسبت جو لب ولہجہ اختیار کیا گیا ہے وہ حد درجہ قابل اعتراض ہے، حد یہ ہے کہ امام بخاری کے متعلق یہاں تک نقل کر دیا گیا ہے کہ وہ بربنائے بغض وعناد امام ابوحنیفہ سے روایت نہیں کرتے لیکن اس کے برخلاف ایسے مستور الحال لوگوں سے روایت کر دیتے ہیں جن کے متعلق بخاری جانتے بھی نہیں کہ کون تھے، اور کون نہیں تھے؟'' [صفحہ ۲۸]

اور صرف اسی قدر نہیں بلکہ جوش انتقام میں صحیح بخاری کے راویوں کی عدالت اور اس کے امت کی طرف سے تلقی بالقبول کو متکلم فیہ قرار دے دیا ہے جو منکرین حدیث کہتے ہیں اور کیا امام بخاری کی عدالت، ثقاہت، تقویٰ وطہارت اور ان کی صحیح کی صحت کو مجروح کر دینے کے بعد بھی کسی اور کتاب حدیث پر اعتماد کیا جاسکتا ہے؟ اس میں

شک نہیں کہ بعض متقدمین حنفیہ نے مجادلانہ طور پر امام بخاری، حافظ ابن حجر، ابن عدی اور حافظ ذہبی وغیرہم کے متعلق اسی طرح کی باتیں ضرور لکھی ہیں لیکن ایک محقق کا فرض ہے کہ علمی امانت ودیانت کا سررشتہ کبھی ہاتھ سے نہ جانے دے اور غیظ وغضب میں کوئی بات ایسی نہ کہے جس سے دین کی اصل بنیاد میں ہی رخنہ پڑ جائے۔ اگر امام بخاری بھی روایت حدیث ایسے اہم معاملے میں شخصی رضامندی یا نارضامندی کو دخل دینے سے محفوظ نہیں رہ سکے تو پھر اس باب میں کسی اور پر کیوں اعتماد کیا جاسکتا ہے؟'' [ماہنامہ برہان دہلی، فروری ۱۹۶۵ء صفحہ ۱۲۷۔۱۲۸]

اسی طرح مولانا انور شاہ کاشمیری رحمہ اللہ کے ایک شاگرد رشید مولانا احمد رضا بجنوری نے ''انوار الباری'' کے نام سے اردو میں صحیح بخاری کی شرح لکھی ہے، اس شرح کے بارے میں بھی ایک حنفی عالم تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''اس میں اصل متن حدیث کی شرح اور دوسری مشکلات سے تو کم تعرض کیا گیا ہے اور اصل زور اس پر صرف کیا گیا ہے کہ احناف کا فقہی وکلامی مذہب درست اور حدیث کی منشا کے عین مطابق ہے، اس اعتبار سے یہ بخاری کی شرح کم اور حنفی مذہب کی مدلل تائید اور محدثین اور غیر حنفی مذاہب کے علماء ومحققین کی تردید پر زیادہ مشتمل ہے، جس کی وجہ سے یہ بحث ومناظرہ کی کتاب معلوم ہوتی ہے، جابجا مباحث اور دلائل کا تکرار ہے۔

اکثر بحثیں بلاضرورت طویل ہوگئی ہیں جو غیر متعلق بھی ہیں، مثلاً کتاب التوحید والعقائد کا بڑا حصہ صرف امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی مدح ومنقبت کی نذر ہوگیا ہے، اور اس میں ان کو تابعی اور سب سے بڑا محدث ثابت کرنے پر زیادہ توجہ کی گئی ہے، مصنف کے نزدیک تقلید، حنفیت اور دیوبندیت سے اختلاف غالباً کسی حال میں بھی روا نہیں۔ حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ، حافظ ابن قیم رحمہ اللہ اور شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نیز مولانا شبلی رحمہ اللہ، علمائے ندوہ اور سلفی حضرات کو اسی جرم میں مطعون کیا گیا ہے۔ لطف یہ ہے کہ یہی ابن تیمیہ رحمہ اللہ جن کی تحقیقات اور دلائل مصنف کی نظر میں ناقابل اعتنا ہیں، جب ان کے مطلب کی کوئی بات کہہ دیتے ہیں تو بلا دلیل بھی تسلیم کے لائق ہو جاتی ہے، مصنف نے اپنی کتاب کو مولانا محمد انور شاہ کے افادات کا مجموعہ بتایا ہے جبکہ ان کے یہاں اس طرح کی شدت اور غلو پسندی نہیں ہے بلکہ وہ تمام علمائے دیوبند میں اپنے توسع اور بے تعصبی کیلئے ممتاز ہیں، کسی مخصوص اور طے شدہ رائے ومسلک کے مطابق احادیث کو ڈھالنا شرح وتحقیق کا کوئی علمی ومعروضی انداز نہیں ہے، کتاب کی زبان وبیان عام فہم نہیں ہے اور جن مسائل ومباحث کا ذکر اس میں ہے وہ بھی عام لوگوں کے ذوق کی چیز نہیں ہے۔ [ماہنامہ معارف، اعظم گڑھ، بھارت، مئی ۱۹۹۰ء]

اس سے بھی زیادہ تعجب انگیز اور حیرت زدہ بات یہ ہے کہ خود علامہ کاشمیری، جن کی بابت ان کے اپنے فرزند گرامی قدر نے یہ تبصرہ کیا کہ انہوں نے حنفیت کی تائید کیلئے اتنا عظیم کام کیا ہے کہ اب سو سال تک اس کی بنیادیں غیر متزلزل رہیں گی، انہوں نے اپنی مساعی کی بابت، اپنی آخری عمر میں عدم اطمینان کا اظہار اور اسے اپنی عمر ضائع کرنے سے تعبیر کیا، چنانچہ ان کے فاضل شاگرد مفتی محمد شفیع مرحوم لکھتے ہیں: ''ایک اہم واقعہ بھی آپ کے گوش گزار کروں جو اہم بھی ہے اور عبرت خیز بھی، قادیان میں ہر سال ہمارا جلسہ ہوا کرتا تھا اور سیدی حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحب رحمہ اللہ اس میں شرکت فرمایا کرتے تھے۔ ایک سال اسی جلسہ پر تشریف لائے، میں بھی آپ کے ساتھ تھا، ایک صبح نماز فجر کے وقت اندھیرے میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ حضرت سر پکڑے ہوئے بہت مغموم بیٹھے ہیں، میں نے پوچھا، حضرت کیسا مزاج ہے؟ کہا ہاں ٹھیک ہی ہے، میاں مزاج کیا پوچھتے ہو، عمر ضائع کر دی، میں نے عرض کیا، حضرت! آپ کی ساری عمر علم کی خدمت میں، دین کی اشاعت میں گزری ہے، ہزاروں آپ کے شاگرد علماء ہیں، مشاہیر ہیں جو آپ سے مستفید ہوئے اور خدمت دین میں لگے ہوئے ہیں، آپ کی عمر اگر ضائع ہوئی تو پھر کس کی عمر کام میں لگی؟ فرمایا، میں تمہیں صحیح کہتا ہوں، عمر ضائع کر دی، میں نے عرض کیا، حضرت بات کیا ہے؟ فرمایا، ہماری عمر کا، ہماری تقریروں کا، ہماری ساری کدوکاوش کا خلاصہ یہ رہا ہے کہ دوسرے مسلکوں پر حنفیت کی ترجیح قائم کریں، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مسائل کے دلائل تلاش کریں اور دوسرے ائمہ کے مسائل پر آپ کے مسلک کی ترجیح ثابت کریں، یہ رہا ہے محور ہماری کوششوں کا، تقریروں کا اور علمی زندگی کا۔

اب غور کرتا ہوں تو دیکھتا ہوں کہ کس چیز میں عمر برباد کی؟ ابوحنیفہ ہماری ترجیح کے محتاج ہیں کہ ہم ان پر کوئی احسان کریں، ان کو اللہ تعالیٰ نے جو مقام دیا ہے وہ مقام لوگوں سے خود اپنا لوہا منوائے گا، وہ تو ہمارے محتاج نہیں، جن کے مقابلے میں ہم یہ ترجیح قائم کرتے آئے ہیں، کیا حاصل ہے اس کا؟ اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ ہم زیادہ سے زیادہ اپنے مسلک کو ''خطا محتمل الصواب'' (غلط مسلک جس کے حق ہونے کا احتمال موجود ہے) کہیں، اس سے آگے کوئی نتیجہ نہیں، ان تمام تدقیقات اور تحقیقات کا جن میں ہم مصروف ہیں۔

پھر فرمایا: ارے میاں! اس کا تو کہیں حشر میں بھی راز نہیں کھلے گا کہ کون سا مسلک صواب تھا اور کون سا خطاء، اجتہادی مسائل صرف یہی نہیں کہ دنیا میں ان کا فیصلہ نہیں ہو سکتا، دنیا میں بھی ہم تمام تر تحقیق و